ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

"قربتِ مرگ میں محبت" تحلیلِ نفسی اور تصورِ فنا کے تناظر میں

‘‘Qurbat.e.Marg Mein Mohabbat’’ In Context of Phycho-Analysis & The Concept of Death

ڈاکٹر بینش فاطمہ،

لیکچرار اردو،

وفاقی اردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس و ٹیکنالوجی، اسلام آباد۔

Abstract

Mustansar Hussain Tarar's name in the world of literature needs no introduction. Mustansar Hussain Tarar is known in many contexts at the same time. His first reference is that of a travel writer, but he has also shown his talents in the field of novels, columns, fiction and acting. Tarar has made the backward and downtrodden sections of the society the subject of his novels and has highlighted an aspect of history that we were unaware of. He is very familiar with nature observations and human studies.If one examines the novel writing of Mustansar Hussain Tarar, in his novel writing, the flow of water, and the sadness of its drying up, exploitation in the name of religion, the tragedy of the times becoming dull, the historical tragedy, the bitterness of labor life. , economic and social exploitation, exploitation of human values and the concept of Death are the themes of his novels. A reading of the novel makes one wonder how deep and real the author's observation of different nations and the day and night of family life is. In this paper, a critical analysis of Tarar's novel ‘‘Qurbat.e.Marg Mei Mohabbat’’ with reference to ' Phsychoanalysis theory & concept of Death ' has been carried out.

دنیائے ادب میں مستنصر حسین تارڑ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ مستنصر حسین تارڑ بیک وقت کئی حوالوں سے جانے جاتے ہیں۔ ان کا مقدم حوالہ تو سفر نامہ نگار کا ہے مگر ناول، کالم، افسانہ اور اداکاری کے میدان میں بھی انہوں نے اپنی صلاحیتوں کا شاندار اظہار کیا ہے۔ سفر نامے کے میدان میں اپنا سکہ جما کر وہ ناول نگاری کی جانب آئے۔ انہوں نے اس شعبے میں بھی بہت کام کیا جو کسی طور پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے یہاں ناول نگاری میں بھی موضوع کی وسعت اور مقدار بہت وسیع ہے اور موضوعات کی اس وسعت میں ان کی سفری زندگی کا بھی بہت دخل ہے۔ دنیا کو چاروں کھونٹ جا جا کر دیکھنا، کھوجنا، سمجھنا اور سفری تجربات اور مشاہدات کو بھی اپنے ناولوں میں برتنا اور ساتھ ہی ساتھ جہاں گردی کے دوران میں، رابطے میں آنے والے افراد اور ان کے احوال کو بھی اپنے ناولوں میں مسالے کے طور پر استعمال کرنا تارڑ صاحب کا خاصا ہے۔ ادبی حوالے سے مستنصر حسین تارڑ کے فن کا پتا ان کی ناول نگاری سے لگتا ہے۔ انہوں نے اپنے ناولوں میں معاشرے کے پسماندہ اور پسے ہوئے طبقے کو موضوع بنایا ہے اور تاریخ کے ایسے پہلو کو اجاگر کیا ہے جس سے ہم ناواقف تھے۔ وہ مشاہداتِ قدرت اور مطالعہ انسانی سے بہت درجہ واقف ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ آشوبِ وقت کے نوحہ گر ہیں کیوں کہ وہ معاشرتی نظام سے خوب واقف ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ انسانی بدن کے ساتھ موجود ایندھن کو فراہمی کیسے برقرار رکھی جائے اور ان کا یہ نظریہ زندگی کا فن کافی اہمیت رکھتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ اپنے ناولوں میں کئی جہاں کھولتے ہیں. وہ صرف ایک موضوع پر نہیں لکھتے بلکہ آپ کے ناولوں میں سیاست، تاریخ، سماج، معاشی مسائل، فلسفہ، انسانی نفسیات اور اس کے علاوہ زندگی کے سارے ہی رنگ نظر آتے ہیں۔ ناول کے مطالعے سے حیرت ہوتی ہے کہ مختلف اقوام اور خاندانی زندگی کے شب و روز کے بارے میں مصنف کا مشاہدہ کتنا گہرا اور حقیقی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ قلم اٹھانے سے پہلے اس موضوع پر برسوں تحقیق کی گئی ہو۔ اور ان کی یہی فلسفیانہ سوچ اور فکر ناولوں میں بھی سیاسی، سماجی، معاشی اور تاریخی پس منظر بیان کرتی ہے۔ انہیں انسانی نفسیات کا بھرپور علم ہے اور ایسے پہلوؤں کو ناول میں سمونا کسی مصنف کے لیے آسان نہیں ہوتا لیکن تارڑ کو یہ صلاحیت قدرت کی طرف سے عطا ہے۔

Vol.7 No.4 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

"قربت مرگ میں محبت"، "ڈاکیا اور جولاہا" اور "قلعۂ جنگی" مستنصر حسین تارڑ کے ایسے ناول ہیں جن میں موت کے آسیب منڈلاتے نظر آتے ہیں۔ ناولوں کے کردار اپنے ارد گرد موت کے حصار ضرور دیکھتے ہیں اور یہی موت ہے جو کہ ان کے افعال پر براہ راست اثر انداز ہوتی نظر آتی ہے۔ بلکہ زندگی کی روانی کا پیش خیمہ ہی یہی موت کا احساس ہے جو کہ کرداروں سے مختلف کام سر انجام دلواتا ہے۔ موت جو کہ زندگی کے تمام مراحل کا اختتام ہے، ایک ایسا ڈر پیدا کر دیتی ہے جو صحیح و غلط کی گردان کو بھولنے میں مدد دیتا ہے۔ اور کردار غیر روایتی فعل سر انجام دیتے نظر آتے ہیں۔ ایک وقت میں یہ کردار روز مرہ کے سادہ لوح کرداروں سے قطعی مختلف ہو جاتے ہیں جو کہ اچھائی و برائی کے جھنجھٹ میں پڑتے ہی نہیں بلکہ اپنی خواہشات کے پیچھے بے دریغ بھاگتے نظر آتے ہیں ۔

"قربت مرگ میں محبت "ایک لکھاری کے گرد گھومتی کہانی ہے جس میں تمام کردار اس کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کے یہ سارا ناول ایک لکھاری کی وہ تمام مدفن شدہ خواہشات ہیں جن کو وہ اپنی زندگی کے اوائل ایام میں پوری نہ کر سکا اور اب مرتے دم وہ تمام خواہشات ایک تخیلاتی روپ دھار کر اس کے ذہن پر سوار ہو جاتی ہیں تو یہ ہر گز غلط نہ ہو۔ ایک لکھاری جو کہ اپنے بڑھاپے میں ہے، اس کے لیے ایک دم سے چار مختلف نسوانی کرداروں جو کہ مختلف Background سے تعلق رکھتے ہیں، بہت اہم ہو جاتے ہیں۔ ایک کردار کو پاگل خانہ کا نام دیا جاتا ہے، کیوں کہ اس کا کوئی نام ہے ہی نہیں جب کہ ایک وڈیرے کی پاگل بیوی عابدہ سومرو اور تیسری ایک انتہائی ذہین و فطین اور پڑھی لکھی خاتون ڈاکٹر سلطانہ شاہ ہے۔ پکھی ناول کا چوتھا نسوانی کردار ہے ۔ ناول کا آغاز ہی مرکزی کردار کے آخری ایام کے بندوبست سے ہوتا ہے جب کہ وہ ایک کشتی پر دریا کے سفر پر نکل کھڑا ہوتا ہے۔ دریائے سندھ کے سفر کی ایک وجہ اُس کے گھونسلے کا کمیٹی کے بلڈوزروں کے ہاتھوں کچلا جانا اور دوسرا بڑھتی عمر اور محبت کے آسیب سے فرار ہو سکتا ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے:

"وہ اب بھی اس سفر کو ترک کر سکتا تھا۔۔۔ اس کا جواز کچھ بھی نہ تھا۔۔۔ عمر اور محبت سے فرار ہونا تو کوئی جواز نہیں" ۔(1)

مگر اس سبب کے باوجود ایک لا متناہی سفر کا آغاز ضرور کر دیتا ہے جس کے اختتام کا اس کو خود بھی پتہ نہیں اور اسی سفر کے دوران ہی وہ اپنے تمام بیتے دنوں کو یاد کرتا ہے اور عیش و مستی کے وہ تمام دور اس کے سامنے کسی ڈراؤنے خواب کی طرح آتے ہیں جن سے وہ ڈرتا ضرور ہے مگر وہ اس کا ایسا اٹوٹ انگ ہیں جس کے بغیر وہ نامکمل ہے۔ ناول میں سگمنڈ فرائڈ(Sigmund Freud) کی موجودگی ہر لحظہ محسوس ہوتی ہے کیونکہ مرکزی کردار کی جنسی تڑپ اس کی موت کی دہلیز تک اس کے ساتھ چلتی ہے اور کشتی پر موجود ملاح کی بیوی پکھی بھی اس کی نظروں کو ایک حدت ضرور فراہم کرتی ہے۔ لیکن پھر وہ دوبارہ اپنے ماضی قریب کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ ایک بات جو کہ قابل ذکر ہے کہ ناول میں ماضی بعید کے بارے میں بہت کم بات کی گئی ہے سوائے اس کے وہ ایک کامیاب مصنف ہے اور اس کے ناول مختلف موت کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ مشہور ہے۔ بیوی مر چکی ہے اور بچے دوسرے ملکوں میں ہنسی خوشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور گاہے بگاہے باپ کی خیریت فون کر کے پتہ کرتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے بچپن کے کچھ واقعات یاد کرتا ہے جس میں پواجی کا کردار بھی اہم ہے۔ "قربت مرگ میں محبت" کے چاروں نسوانی کردار ایک دوسرے سے کافی حد تک مختلف ہیں اور یہ اختلاف ان کے تعلیمی و معاشی پس منظر کا فرق ہے جو کہ ان کے عادت و اطوار کو ایک دوسرے سے بے حد مختلف بنا دیتا ہے۔ پاگل خانہ جو کہ ایک مثالیت پسند خاتون ہے اور اُسے آخری عمر میں اپنی جوانی کی محبت کے ساتھ اٹکھیلیاں کرنے کا موقع میسر آ جاتا ہے تو وہ اسے کھونا نہیں چاہتی۔ عابدہ سومرو جو کہ حقیقت میں ایک پاگل خاتون ہے، ناول کے اختتام پر پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک وڈیرے کی بیوی ہے جو کہ گھریلو استحصال کی وجہ سے پیار و محبت کی متلاشی ہے۔ ڈاکٹر سلطانہ شاہ بھی ایک مثالیت پسند خاتون ہے مگر اس کی مثالیت پسندی موت کے ساتھ ہے نہ کہ خاور کے ساتھ۔ وہ موت کے بارے میں مختلف حقائق جاننا چاہتی ہے اور خاور کے ادب میں موت کے سائے منڈلاتے رہتے ہیں اور اسی سبب وہ خاور کے اتنے قریب ہو جاتی ہے۔ پکھی چوتھی خاتون ہے جو کہ کشتی بان کی بیوی ہے اور معاشی تنگدستی کا شکار ہے۔ وہ کسی قسم کے آئیڈلزم کا شکار نہیں ہے کیونکہ یہ تمام باتیں تو بھرے پیٹ کے چونچلے ہیں۔ جہاں زندگی کی گاڑی کھینچنا مشکل ہو جائے وہاں صحیح و غلط یا اچھائی و برائی کی تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

"قربت مرگ میں محبت" کو اگر تحلیل نفسی کے نظریے سے دیکھا جائے تو معلوم پڑے گا کہ تمام کردار ہی اپنے لاشعوری محرکات کے تابع ہیں۔ ان کے اعمال و افعال کے پیچھے ان کا لاشعور کار فرما ضرور ہے۔ مثلاً پاگل خانہ جب کالج میں پڑھتی تھی، اس کو پہلی بار خاور سے پیار ہوا تھا۔ مگر پاگل خانہ نے اس سوچ کو لاشعور کے قبرستان میں مدفن کر دیا تھا۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ لاشعور کے قبرستان میں وہ تمام خیالات و جذبات جنہیں ہم بھلانا چاہتے ہیں، وہ پناہ لے لیتے ہیں اور پھر گاہے بگاہے مختلف زاویوں سے ہماری زندگیوں پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ پاگل خانہ نے بھی خاور کو اپنی جوانی میں چاہا مگر اپنی چاہت کو لاشعور کے قبرستان میں مدفن کر دیا، وہ کہتی ہے:

”جب میں کالج میں تھی۔۔۔ایم۔اے انگلش لٹریچر کے آخری سال میں تھی۔۔۔جب میں نے تمہاری پہلی کتاب پڑھی تھی۔جب میں نے پہلی بار تمہیں ٹیلی ویژن کے ادبی پروگرام میں دیکھا تھا۔۔۔تب سے۔۔۔اور پھر میں منتظر رہی کہ کب آخری گرہ مجھے آزاد کرے اور تمہیں یہ فون کروں۔۔۔بس اسی پروسیس کی وجہ سے چوبیس پچیس برس دیر ہو گئی۔۔۔“(2)

خاور پاگل خانہ کا آئیڈیل ہے۔مگر وہ جانتی تھی کہ اُس کا حصول شاید ناممکن ہے یا پھر معاشرتی حدود اس کو اس بات کی ہر گز اجازت نہیں دیں گی۔جس کے سبب وہ خاور کو اپنے شعور سے جھٹک دیتی ہے اور اس کو فراموش کر کے لاشعور میں جا بٹھاتی ہے مگر اس کا لاشعور اس کی زندگی میں مداخلت ضرور کرتا رہتا ہے جب جب وہ خاور کو ٹی۔وی پر دیکھتی ہے تو اس کے لاشعوری محرکات شعور میں در آتے ہیں۔ڈاکٹر محمد اجمل لاشعور کی کچھ یوں تعریف کرتے ہیں۔

”یہ ذہن کا وہ حصہ ہے جس میں مبطنہ واقعات اور جذبات زندہ اور متحرک رہتے ہیں اور ایسے تحسسات بھی جو شدت کی کمی کی وجہ سے شعور کی دہلیز کے اوپر نہیں آسکے“۔(3)

ڈاکٹر محمد اجمل کی لاشعور کی تعریف میں اگر پاگل خانہ کے کردار کا جائزہ لیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ جب جب پاگل خانہ خاور کو کسی صورت خواہ وہ کتاب ہو یا ٹی۔وی، اپنے سامنے دیکھتی ہے تو ایک خواہش ضرور جنم لیتی ہے، جس کا ادراک اس کے بیٹے اور شوہر کو بخوبی ہے۔جس کی وجہ سے ہی وہ اس کو خاور کا نام لے لے کر تنگ کرتے رہتے ہیں۔ اس کا اعتراف پاگل خانہ کا بیٹا خود بھی خاور کے سامنے کرتا ہے جب وہ اُس سے ایئرپورٹ پر ملتا ہے۔

”وہ آپ کو بے حد ایڈمائر کرتی ہیں سر۔۔۔بلکہ مجھے کہنا تو نہیں چاہیے لیکن ہم اور ابو انہیں کبھی کبھار آپ کے حوالے سے چھیڑتے بھی ہیں۔۔۔جسٹ فار فن۔۔۔“ نوجوان جھجکتے ہوئے ہنسنے لگا۔۔۔(4)

یہ ایڈمائریشن در حقیقت وہ آئیڈلزم ہے جس کا پاگل خانہ شکار ہے۔پاگل خانہ کسی قسم کی جنسی خواہشات نہیں رکھتی کیوں کہ بقول اس کے مرزا صاحب اس کی تشفی کر سکتے ہیں۔وہ نہ ہی کسی قسم کی معاشی تنگدستی کا شکار ہے بلکہ اپنی جوانی کے آئیڈلزم کو جینا چاہتی ہے اور یہ موقع اُسے اپنے چھوٹے بیٹے کی شادی کے بعد مل جاتا ہے کیوں کہ وہ اپنے آپ کو تمام طرح کی ذمہ داریوں سے آزاد محسوس کرتی ہے۔اُس نے وہ آخری گرہ کھول دی ہے جس نے اُسے باندھ رکھا تھا۔لاشعوری محرکات اور تحلیلِ نفسی کے نظریے کے ساتھ اس نسوانی کردار کی محبت کو ناول کی موضوعیت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ڈاکٹر ممتاز احمد خان کی بات بے حد مناسب معلوم پڑتی ہے، وہ کہتے ہیں:

”یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کا شوہر اور اس کے لڑکا اس انوکھے عشق کے بارے میں خوب جانتے ہیں اور مستنصر حسین تارڑ ایسی ہی عورت کی تصویر کشی کرنا چاہتے تھے جو عشقِ لاحاصل کی نہیں عشق آسودگی کی تکمیل کر رہی تھی۔کینسر والی موت اس کے قریب تھی اور قربت میں ایسی محبت ناول نگار کا موضوع تھی“۔(5)

پاگل خانہ کو ایک پڑھی لکھی، ماڈرن اور دلیر خاتون کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو کہ کینسر جیسے مرض سے لڑ رہی ہے۔مگر کسی کو اس کا ادراک نہیں ہونے دیتی حتیٰ کہ خاور کو بھی یہ کہہ کر ٹال دیتی ہے کہ وٹامن کی گولیاں کھاتی رہتی ہے۔ناول میں پاگل خانہ کا کردار باقی تمام کرداروں سے اپنے نام کی وجہ سے بھی انفرادیت رکھتا ہے۔پاگل خانہ وہ خود کو نام دیتی ہے شاید اُسے اپنی حرکات نارمل نہیں لگتی۔وہ اچانک خاور کی زندگی میں آتی ہے اور بہت خاموشی کے ساتھ چلی جاتی ہے۔خاور اور اس کا تعلق ایک ایسی جگہ پہنچ جاتا ہے جہاں شاید الفاظ معنی نہیں رکھتے یا پھر جذبات اور احساسات کی ترجمانی بھی ممکن نہیں ہوتی۔ایسے سراپے میں کرداروں کے نام بھی بے معنی ہو جاتے ہیں۔خاور اس کے مرنے کے بعد اُس کے گھر کال کرتا ہے تو اس کے مرنے کی خبر سنتا ہے۔تب بھی وہ اس کا نام نہیں پوچھتا یا پھر قاری کو نام بتایا ہی نہیں گیا کیوں کہ نام کی معنویت ہی نہیں ہے۔نام کے ذیل میں مستنصر حسین تارڑ نے پاگل خانے کے منہ سے لاسٹ ٹینگو ان پیرس(Last Tangoin Paris) کا حوالہ دلوایا ہے جو کہ مارلن برانڈو کی شہرۂ آفاق فلم ہے جس میں دو کردار ایک اپارٹمنٹ میں اتفاقی طور پر ملتے ہیں اور ان کے درمیان جنسی تعلق قائم ہو جاتا ہے۔وہ ایک دوسرے کے نام سے بھی واقف نہیں ہوتے۔اختتام پر برانڈو مر جاتا ہے۔اور پولیس کے پوچھنے پر لڑکی بتاتی ہے کہ وہ اس کا نام تک نہیں جانتی۔اسی طرح خاور اور پاگل خانہ کا بے نام سا تعلق جہاں اپنے اندر بے حد معنویت چھپائے ہوئے ہے و ہیں پر اس کے نام تک سے آگاہی نہیں ہے۔پاگل خانہ کہتی ہے۔

”جب میں مر جاؤں گی تو تم بھی یہ کہہ سکتے ہو کہ۔۔۔میں تو اس عورت کا نام بھی نہیں جانتا۔۔۔“(6)

مستنصر حسین تارڑ کو نسوانی کرداروں کے نفسیاتی، معاشی اور سماجی مسائل کو بیان کرنے پر ملکہ حاصل ہے۔ناول کا دوسرا نسوانی کردار جو کہ پاگل خانہ کی طرح ٹیلی فون کے ذریعے خاور کی زندگی میں آتی ہے، وہ ایک سندھی وڈیرے کی بیوی عابدہ سومرو ہے۔عابدہ سومرو نفسیاتی بیماریوں کے ساتھ جوج رہی ہے اور اس کا وہم ہے کہ وہ قربتِ مرگ میں ہے۔اگرچہ ایک عام سی جلدی بیماری کا شکار ہے جسے وہ کینسر سمجھتی ہے اور اس کو لگتا ہے کہ وہ جلد مرنے والی ہے۔ناول کے آغاز میں اس کی نفسیاتی الجھنوں کا بالکل

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

معلوم نہیں پڑتا اور وہ ایک نارمل خاتون لگتی ہے جو کہ سندھی وڈیرے سے خوش نہیں ہے جس کی وجہ ان کی جنسی زندگی ہے جو کہ نامکمل ہے۔اسی طرح وہ بہت سے کمپلیکسیز (Camplexes)کا شکار نظر آتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ خاور کی زندگی میں آجاتی ہے۔عابدہ کہتی ہے:

”سائیں جو کرنا ہے ہم نے آپ کے لیے کرنا ہے۔۔۔آپ کو پڑھتے ہیں، دیکھتے ہیں ہنستے ہیں۔۔۔تو پسند کرتے ہیں۔۔۔مرید ہیں آپ کے۔۔۔مرشد نظر کرے تو ہمارے دن بھی پلٹ جائیں۔۔۔بھاگ جاگ جائیں ہمارے۔۔۔“(7)

عابدہ سومرو خاور کی زندگی میں اچانک سے آجاتی ہے اور خاور بھی اس کی آمد کو روک نہیں پاتا۔دوسری طرف پاگل خانہ بجائے رقابت کے خاور پر زور دیتی ہے کہ وہ عابدہ سومرو کو وقت دے۔پاگل خانہ خاور کو دیکھنے کی تمنائی ہے جب کہ عابدہ سومرو اس کو برتنا بھی چاہتی ہے۔عابدہ سومرو کا قربت مرگ میں ہونا بھی پاگل خانہ کو ایک ہم آہنگی کا موقع فراہم کرتا ہے اور عابدہ سومرو کا فعل پاگل خانہ کے فعل کا جواز فراہم کر دیتا ہے۔پاگل خانہ کہتی ہے:

”کیوں کہ جو میں کہتی ہوں اس نے تصدیق کر دی ہے۔۔۔جو میں محسوس کرتی ہوں اس نے ان محسوسات پر سچائی کی مہر ثبت کر دی ہے۔۔۔ایک ہسپتال میں ایک ہی نوعیت کے دو کیس آجائیں تو معالج کو یقین آجاتا ہے کہ یہ بیماری عام ہے۔۔۔اور وہ پوری سنجیدگی سے ان کا علاج کر سکتا ہے۔۔۔وہ اور میں ایک ہی پاگل پن کا شکار ہیں“(8)

عابدہ سومرو جہاں اپنے آپ کو کینسر کی مریضہ بتاتی ہے وہیں وہ اپنی سہیلی شہلا آفریدی کی موت کا بھی بتاتی ہے ناول کے آخر میں وہی شہلا آفریدی خاور کو بتاتی ہے کہ عابدہ سومرو ایک نفسیاتی مریضہ ہے۔عابدہ سومرو آکسفورڈ اور ہاورڈ سے پڑھنے کے بعد ایک سندھی وڈیرے کے گھر میں بند ہو جاتی ہے۔جہاں پر وہ ایک نمائش اور زیبائش کی چیز گردانی جاتی ہے اس کے ساتھ ساتھ اُس کو جنسی مسرتیں بھی باہم نہیں پہنچتی اور یہ تمام عوامل مل کر عابدہ سومرو کو ڈپریشن کا مریض بنا دیتے ہیں نفسیاتی مریضوں کی اپنی الگ تھلگ دنیا ہوتی ہے جسے وہ خود تخلیق کرتے ہیں خاور بھی عابدہ سومرو کی نفسیاتی دنیا کا ایک کردار ہے جس کو اس کا رول پورا ہونے پر عابدہ سومرو چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔تاہم اپنی آخری ملاقات میں اپنی لکھی نظم جو خاور کو سناتی ہے۔وہ ناول کے مرکزی موضوع "قربت مرگ میں محبت" کو مزید معنی عطا کرتی ہے۔عابدہ سومرو کا کردار جہاں سندھی وڈیروں کے طرزِ زندگی پر تنقید ہے وہیں پر اُس نظام کی وجہ کر کے جنم لینے والی نفسیاتی الجھنوں کو بھی آشکار کرتا ہے۔عابدہ سومرو انہیں پابندیوں اور گھٹن زدہ ماحول کی وجہ کر کے نفسیاتی مسائل کا شکار ہے کیونکہ اس کی آکسفورڈ اور ہاورڈ کی زندگی جو کہ بالکل ایک اور ہی طرز کی تھی اس کے مقابلے میں اس کی موجودہ زندگی بالکل مختلف ہے جس سے وہ میل نہیں کھا سکتی اور یہی وجہ کر کے مختلف الجھنوں کا شکار ہو جاتی ہے اور خاور سے رابطہ قائم کر لیتی ہے بغیر سوچے کے اس سب کا اس کی معصوم بچی پر کیا اثر پڑے گا۔عابدہ سومرو کے کردار کو اگر نسوانی نظریہ سے دیکھا جائے تو وہ ایک ایسی خاتون ہے جس سے اب اس پدرانہ معاشرے کے ظلم وستم سہ کر ایک الگ سے اپنی خوشی کا سامان کر لیا ہے اور اس معاشرے کے صحیح وغلط کو ماننے سے انکار کر دیا ہے۔وہ اپنی انا کی تسکین کے لیے نکل کھڑی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر سلطانہ شاہ ناول کا تیسرا نسوانی کردار ہے۔ خاور اپنی عمر کا لحاظ کیے بغیر اس نوجوان خاتون سے مراسم بڑھانے کا خواہش مند ہے۔جب کہ سلطانہ شاہ کو خاور کی ادبی دنیا میں موجود موت کے نظریات اس کی طرف کھینچ لائے ہیں۔سلطانہ کو لگتا ہے کہ شاید خاور اس کو موت کے بارے میں کچھ بتا سکے گا مگر خاور خود ہی اتنا لا علم ہے جتنا کہ وہ ۔موت کے آسیب جو کہ خاور کی تحریروں میں موجود ہیں وہ فقط رومانیت پسندی ہیں۔جیسا کہ پاگل خانہ کہتی ہے:

”کچھ نہیں۔۔۔لیکن اسے موت کے بارے میں کچھ بھی ہیں معلوم۔۔۔یہ تم اسے میری طرف سے بتا سکتے ہو۔۔۔اور تمھیں بھی کچھ نہیں معلوم۔۔۔تحریروں میں تم اس کے ساتھ رومانس لڑا سکتے ہو۔۔۔بہت گیانی ہو کر اس کی حکمت کو بیاں کر سکتے ہو لیکن تمھیں بھی کچھ پتہ نہیں“(9)

پاگل خانہ جو کہ کینسر کی مریضہ ہے اور اُسے پتہ ہے کہ اس نے جلد ہی مر جانا ہے وہ کسی حد تک موت کو اپنے قریب آتے دیکھ اُسے محسوس کر سکتی ہے اور ناول میں موجود تمام کرداروں کی نسبت زیادہ موت کو قریب سے جانتی ہے اس لیے وہ یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہے کہ خاور اور ڈاکٹر سلطانہ شاہ دونوں موت کے اسرار سے ناواقف ہیں ان کے موت کے بارے تجربات ثانوی حیثیت کے ہیں۔جیسا کہ ڈاکٹر سلطانہ شاہ اپنے منگیتر کی موت کو دل سے لگائے ہوئے ہے اور خاور اپنے کرداروں کے حوالے سے موت کے ساتھ رومانس کرتا رہا ہے۔مگر درحقیقت انہیں اُس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں اور دوسری طرف پاگل خانہ کا موت کا مشاہدہ بالواسطہ ہے اس لیے وہ اُس کو بہتر انداز میں جانتی ہے۔ ناول کے نام کی معنویت ہر جگہ پر ثابت ہوتی ہے جیسا کہ خاور کی بیوی کی وفات کے بعد کی خاور کی زندگی کو موضوع بنایا گیا ہے اس کے ساتھ ساتھ ناول کے کردار کسی نہ کسی طور موت کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔پاگل خانہ خود مرنے جا رہی ہے۔عابدہ سومرو کو یہ وہم ہے کہ اُس کو کوئی جان لیوا بیماری ہے اور اس نے جلد مر جانا ہے ڈاکٹر سلطانہ شاہ جو کے پردیس میں سرور و مستی کے جذبے میں سرشار تھی، اچانک اپنے منگیتر کی موت کی خبر اُس کو ہوش میں لے آتی ہے اور موت کے راز کو جاننے کی غرض سے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

وہ خاور کے پاس آتی ہے جو کہ خود زندگی کے آخری کنارے پر موجود ہے۔ پاگل خانہ اور عابدہ سومرو کو جہاں خاور سے لگاؤ ہے وہیں خاور ڈاکٹر سلطانہ شاہ کا سراپا دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے:

"ایک نازک سی ملوک سی لڑکی جس کی نیلگوں آنکھیں اس کے سراپے کی جانب جانے ہی نہ دیتی تھیں جسے سومنات کے بت کے ماتھے میں جڑا زمرد اس بت کی ہیت کو اپنی جگمگاہٹ سے چندھیا کر نظروں سے اوجھل کر دیتا ہے۔(10)

خاور کو عمر کے آخری حصے میں سلطانہ سے محبت ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف سلطانہ جو کہ موت سے متعلق اپنی الجھنیں سلجھانے خاور کے پاس آتی ہے وہ بھی اُس میں دلچسپی لینا شروع کر دیتا ہے ناول کا ایک طویل حصہ گزر جانے کے بعد ناول کا مرکزی کردار ایک ایسی شخصیت سے ملتا ہے جس کو لے کر اس میں ایک رمق بیدار ہوتی ہے۔ ظفر کی موت ہی سلطانہ کو بے چین کر کے واپس پاکستان آنے پر مجبور کرتی ہے مگر اب اُس کے گھر میں اُس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے، وہ خاور کے پاس موت کے راز کو جاننے کے لیے جاتی ہے اور کہتی ہے:

"تم تو موت کے رسیا ہو۔۔۔ تم مجھے بتاؤ کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔۔۔ یہ مرگ کیا ہے اور کیوں آتی ہے اور کسی ایسے شخص کو کیوں آتی ہے جو داتا صاحب کے مزار پر دعا کرنے گیا ہو اور بے وجہ کیوں آتی ہے۔۔۔ کیا قضا اُس کی قدرت سے بھی باہر ہے اور اس کی رضا کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بھی اپنے فیصلے خود کرتی ہے۔۔۔ اس کی مرضی کے بھی تابع نہیں ہے۔۔۔ خود ایک خدا ہے"۔(11)

موت کی پر چھائیاں سارے ناول کو ہی اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہیں۔ یہاں پر فرائڈ کی نہ لبیڈو انرجی (Libido Energy) نا ہی ژونگ کی سائیکک انرجی (Psychic Energy) اور نا ہی کارل مارکس کا کیپٹلیزم (Capitalism) ناول کی روانی کا ذریعہ ہیں۔ ہاں یہ غلط ہو گا اگر ان عوامل کو سرے سے مسترد کر دیا جائے۔ یہ تمام نظریات اس ناول مں موجود ہیں مگر موت ناول کا وہ مرکزی پہلو ہیں جن کے ارد گرد ہی سارے کردار گھومتے نظر آتے ہیں۔ موت کی گود میں بھی محبت کے جذبے کی موت واقع نہیں ہوتی بلکہ یہ جذبہ مزید پروان چڑھتا ہے۔ اس طرح محبت کو ناول نگار نے فتح ضرور دلوائی ہے۔ لیکن موت کے آسیب ہی اس جذبے کو مزید بڑھا دیتے ہیں اور کردار موت کو قریب محسوس کرتے ہی محبت کی آغوش میں پناہ لینے کی سوچتے ہیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر سلطانہ شاہ امریکہ میں عیش پرستی میں گم ہے اور امریکہ کے مادر پدر آزاد ماحول کا حصہ بن چکی ہے اور اپنی روایات حتیٰ کہ اپنے گھر والوں کو ہی سرے سے فراموش کر چکی ہے، ظفر جس سے اُس کو کبھی اُنس تھا اُس کو بھول جاتی ہے۔ امریکہ کی رنگ رلیوں میں اپنے باپ کی قربانیوں اور اعتبار کو ٹھیس پہنچاتی ہے اور خدا، مذہب اور معاشرہ سب کو پس پشت ڈال کر یہ سمجھ لیتی ہے کہ سب کچھ اُس کی مرضی اور منشاء کے مطابق ہی ہونا ہے۔ اس خوشی اور مستی کی مدہوشی میں موت کے آسیب سلطانہ کو دبوچ لیتے ہیں جن سے ڈر کر وہ پاکستان لوٹ آتی ہے۔ وہ ابھی تک موت کے نظریہ کو لے کر پریشان ہے اور یہی پریشانی اس کو خاور کو ملنے پر مجبور کر دیتی ہے یہ اتفاقیہ ملاقات خاور کے لیے اس لیے اہم بن جاتی ہے کیونکہ وہ سلطانہ کا سراپہ دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے سلطانہ جو کہ اُس وقت پریشان حال خاتون ہے۔ موت کے آسیب اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں وہ محبت کی آغوش میں پناہ لینا ہی مناسب سمجھتی ہے۔ سلطانہ اور خاور کا محبت کی ڈگر پر ایک ساتھ سفر ہی تارڑ کا مرکزی موضوع ہے کیونکہ یہ صورتِ حال ناول کے عنوان "قربتِ مرگ میں محبت" کی ہو بہو غمازی کرتی ہے۔ موت کے بارے میں غفور احمد کہتے ہیں:

"اس پورے ناول کے منظر نامے میں موت ایک زبردست قوت کے طور پر موجود ہے۔ یہ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو یہ کسی حد تک بہت دوہریا جانے والا موضوع بھی ہے موت کی یہ بار بار کی دستک اپنے اندر یکسانیت اس لیے نہیں رکھتی کہ ہر بار کردار بدل جاتا ہے قربت مرگ میں محبت میں بھی ناول کے آغاز سے لیکر اختتام تک محبت مرگ کی قربت میں ہی گہرے سانس لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔" (12)

انہی محبتوں، اموات اور شہر کے گلیمر سے دور دریائے سندھ کے کناروں پر آباد دراوڑ نسل کے لوگوں میں ایک خاتون پکھی بھی ہے جو کہ ناول کا چوتھا نسوانی کردار ہے۔ پکھی جس کو کسی کی محبتوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ وہ اپنے گھر بار کو چلانے کی فکر میں ہے۔ اُسے کسی سے محبت نہیں ہے وہ بس حکم کی باندی ہے۔ اُس کا خاوند بھی اعتراض نہیں کرتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اسی طرح سے زندگی کا پہیہ چلنا ہے۔ پکھی آنے والے سیاحوں یا پھر کشتی کرائے پر لے جانے والے شکاریوں کے حکم پر ان کے ساتھ ہم بستری کر رہی ہے، جس کے عوض ان کو پیسہ مل جاتا ہے۔ نفسیات دان اس بات میں حق بجانب ہیں کہ جب تک پیٹ کی بھوک سے نجات نہ ملے تب تک عزت نفس کی کوئی فکر لاحق نہیں ہوتی۔ مارکسی نظریہ کا اطلاق یہاں پر ضرور ہوتا ہے پکھی دراصل امیر اور غریب، طاقتور اور کمزور، آقا اور غلام کے متضاد نظریات کی آئینہ دار ہے۔ پکھی محکوم، مظلوم، کمزور، لاچار اور غریب عورت کے طور پر سامنے آتی ہے جو کہ اپنے گھر بار کی خاطر اپنی عزت کا سودا کرتی ہے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان ان الفاظ میں پکھی کے کردار کا تذکرہ کرتے ہیں:

''پکھی بھی تو تھی جو کشتی کی تاریکی میں بچے پیدا کرتی ہے، مسافروں کی دل داری کرتی ہے اور شوہر خاموش رہتا ہے کہ مسافر اپنا پرس کھول کر اس کا پیٹ بھرتے ہیں مگر معاشی جبر کا عفریت رقص میں رہتا ہے''۔(13)

پکھی جو کہ کشتی پر موجود ہر آنے والے مسافر کے حکم کے تابع ہے، وہاں سلطانہ، عابدہ اور غلافی آنکھوں والی ایک الگ دنیا سے تعلق رکھتی ہیں۔ ناول کے چاروں نسوانی کردار ایک دوسرے سے بے حد تک مختلف ہیں کیونکہ چاروں مختلف محل وقوع اور نفسیاتی یا معاشرتی کشمکش سے دوچار ہیں جس کی بدولت ہی ان کے قول و فعل میں بلا کا اختلاف پایا جاتا ہے، اسی اختلاف کو ڈاکٹر ممتاز ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''غلافی آنکھوں والی، عابدہ سومرو، سلطانہ شاہ کے درمیان صرف غلافی آنکھوں والی ہی آسودہ خاک ہوئی لیکن نامراد عورت کی طرح عابدہ سومرو بھی ناآسودہ اور نامراد رہی اور باہر نکل گئی۔ سلطانہ شاہ کی ماضی کی زندگی کی یادیں اسے ہمیشہ بے چین و ناآسودہ رکھتی ہوں گی مگر سندھ دریا کی پکھی زیادہ اہمیت کی حامل ہے کہ ان پڑھ ہونے کے باوجود بے قابو نہیں ہوئی''۔(14)

پواجی کا کردار خاور کے بچپن کا ناقابل فراموش کردار ہے۔ جب خاور اپنے باپ کے دوست کے ساتھ اُس کے گاؤں جاتا ہے کہ وہ اُسے پڑھا سکے وہیں اس کا تعارف پواجی سے ہوتا ہے۔ پواجی اس وسوسے میں ہے کہ طوفان آنے والا ہے اور سب برباد ہو جانا ہے۔ صرف پیر سائیں کی کشتی میں پناہ لینے والے لوگ زندہ رہیں گے۔ پیر صاحب کی بتائی گئی تاریخ پر کچھ بھی خلاف معمول نہیں ہوتا جس کا غم لے کر پواجی اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ پواجی اپنے پیر کی کرامات اور طوفان کی آمد کے بارے میں بتاتا ہے:

''حضرت نوحؑ نے تو کشتی بنائی تھی ناں کیونکہ سیلاب نے آخر کار اتر جانا تھا۔۔۔ جمعے والے سیلاب نے اترنا نہیں اس لیے مرے اللہ لوگ کے ترکھان مریدوں نے لکڑی کا ہوائی جہاز بنایا ہے۔۔۔ آج جمعہ کی نماز کے بعد ہم سب اس میں بیٹھ جائیں گے۔۔۔ پھر طوفان آئے گا۔۔۔ اور صرف ہم بچ جائیں گے کل خدائی میں سے۔۔۔''(15)

قربتِ مرگ میں محبت "میں فلیش بیک کی تکنیک استعمال کی گئی ہے جس میں ماضی کے ہیولے اور دریائے سندھ کی تہذیب پوری روانی کے ساتھ حال میں موجود ہے۔ فلیش بیک کی تکنیک کے استعمال سے ماضی اور حال ایک ہی جگہ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ خاور جو کہ دریائے سندھ میں سرور اور ماماں جعفر کی کشتی میں بطور کرایہ دار مہمان کے طور پر موجود ہے، وہیں پکھی کی موجودگی اُس کو اس کے ماضی قریب میں گزرے ہوئے معاشقوں کی یاد دلاتی ہے۔ خاور نے اپنی بیوی کی وفات کے بعد تین خواتین کے ساتھ بھرپور رومانوی زندگی بسر کی ہے، اب اپنی زندگی کے آخری سفر پر رواں دواں ہے جس کا علم اُس کی اپنی ذات تک کو نہیں۔

ناول کا اختتام کچھ اس طرح ہے:

''یہ کسی بھی موت کا۔۔۔ سب سے پہلی۔۔۔ جہاں کوؤں نے آکر راہنمائی کی تھی۔۔۔ یا سب سے آخری۔۔۔ موت کا ماحول تھا یا نہیں۔۔۔ صرف وہ ایک مکھی جانتی تھی جو سائیں کے ادھ کھلے منہ کے ہونٹوں پر۔۔۔ کبھی ماتھے پر۔۔۔ اور کبھی بالوں پر بیٹھتی تھی اور بھنبھنا کر اڑ جاتی تھی اور پھر آ بیٹھتی تھی۔۔۔ اور اس مکھی سے یہ نہیں پوچھا جا سکتا تھا کہ آیا تم جہاں بیٹھی ہو۔۔۔ وہاں تمہارے باریک پاؤں تلے یخ بستگی کی مردہ ٹھنڈک اور مرگ ہے۔''(16)

مستنصر حسین تارڑ بطور سفر نامہ نگار مشہور ہیں۔ ان کے سفر نامہ کی لکھت کا اثر ناولوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ مذکورہ ناول جو کہ ''سندھ و سائیں کے نام'' ہے، اس میں بھی سفر نامہ کا مزاج موجود ہے جہاں کردار زندگی کے مختلف پہلو ظاہر کرتے ہیں وہیں دریائے سندھ کا سفر اور اس سفر کی داستان سفر نامہ کا اثر رکھتی ہے۔ خاور جو کہ پانیوں کے سفر میں ہے، ماضی کی یادوں سے بھی قاری کو باخبر رکھتا رہتا ہے۔ مزید برآں سفر نامہ اور ناول کے پلاٹ کو اکٹھا کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ دریائے سندھ کے سفر کی طرح زندگی بھی ایک سفر ہے جو کہ موت کے آنے پر اختتام پذیر ہوتا ہے خاور جو کہ سندھ کے پانیوں کے سفر پر روانہ ہے اُس کی موت کے ساتھ ہی اس سفر کا اختتام ہوتا ہے۔ کشتی کی روانی کے ساتھ ساتھ خاور کی زندگی کی کہانی بھی رواں دواں ہے۔ خاور سرور کو بتاتا ہے کہ کل گھر واپس جانا ہے اور اگلے روز ہی خاور کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ دونوں مسافر اپنی اپنی منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ دونوں سفر اختتام پذیر ہو جاتے ہیں اور اسی بات پر ناول کا بھی اختتام ہو جاتا ہے جیسا کہ روانی زندگی کی علامت ہے اور ٹھہر نا موت کی۔۔۔ اُسی طرح خاور کی سکونت یا موت کے سبب ناول کا بھی اختتام ہو جاتا ہے۔

حوالہ جات

1۔مستنصر حسین تارڑ،قربت مرگ میں محبت،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،2011،ص15

2۔ایضاً،ص89

3۔محمد اجمل،ڈاکٹر: تحلیل نفسیات،ملتان،بیکن بکس،2005،ص89

4۔مستنصر حسین تارڑ:قربت مرگ میں محبت،2011،ص114

5۔ممتاز احمد خان،ڈاکٹر:اُردو ناول کے ہمہ گیر سروکار،لاہور،فکشن ہاؤس، 2012،ص59

6۔مستنصر حسین تارڑ،قربت مرگ میں محبت،ص129

7۔ایضاً،ص167

8۔ایضاً،ص183

9۔ایضاً،ص272

10۔ایضاً،ص279

11۔ایضاً ،ص290

12۔غفور احمد: نئی صدی۔نئے ناول،لاہور،کتاب سرائے،2014،ص149

13۔ممتاز احمد خان،ڈاکٹر:اردو ناول کے ہم گیر سروکار،ص62

14۔ایضاً،ص66

15۔مستنصر حسین تارڑ:قربت مرگ میں محبت،ص250

16۔ایضاً،ص376